خواجہ میر درد کے نظریۂ وحدت الوجود وحدت الشہود کا ایک تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر محمد عمر، ریڈر شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۴)

طریقۂ محمدیہ کے امام اور نقشبندی اور قادری خانوادہ کے خلاصہ، ملّتِ مصطفوی کے ناصر، سلسلۂ مجددیہ کے مَفخر، اس ناتواں [میر درد] کے والد اور مرشد، السید السند، حضرت خواجہ محمد ناصر محمدی خلد اللہ طریقۃ المحمدیۃ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ وعلیٰ آلہ واصحابہ دائماً ابداً کثیراً [اللہ تعالیٰ اُن [خواجہ محمد ناصر عندلیب] کے طریقۂ محمدی کو ہمیشہ آباد رکھے اور رسول اللہؐ پر درود اور سلام، اور آپؐ کے آل واصحاب پر بھی] کے زمانہ میں چوں کہ یہ دونوں نسبتیں وحدت الوجود اور وحدت الشہود نکتۂ کمال کو پہنچ چکی تھیں اور یہ دونوں مباحث واضح طور پر الگ الگ ہوگئی تھیں اور توحید کے ان دونوں نظریوں کے پیرو اپنی صلاحیت کے مطابق اپنے مطلب اور منشار کو سمجھتے تھے اور اسی کے مطابق اپنے میں کیفیت پیدا کر لیتے تھے لیکن باہمی اتفاق کے بجائے ایک دوسرے سے الگ الگ تھے اور انھوں نے اپنے اس اصلی معتدل مزاج کو فاسد کر لیا تھا جیسا کہ حضرت رسول اللہؐ کے عہد میں پایا جاتا تھا۔ توحید مطلق کا تصور اپنی اصلی صورت میں باقی نہ رہا تھا اور اس تصور کو وجود و شہود میں مقید کر دیا گیا تھا۔ مسلمانوں

میں بعض ایسے لوگ تھے جن میں وجودی اور بعضوں میں شہودی رنگ غالب آ گیا تھا کیونکہ عارفوں کی ایک جماعت ایک مخصوص نسبت کے بارے میں غلو سے کام لیتی تھی اور اسی ایک نسبت میں راسخ ہو گئی تھی اور دوسری نسبت سے اس کا کسی قسم کا تعلق باقی نہ رہا تھا اور اس کی تہ تک اس کو رسائی حاصل نہ تھی۔ اولیاء کی دوسری جماعت دوسری نسبت میں راسخ ہو کر اسی میں مقید ہو گئی تھی اور پہلی نسبت کے بارے میں بالکل نابلد تھی اور اس راز کو نہ سمجھتی تھی۔ اس لیے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آنحضرت، حضرت قبلۂ کونین [خواجہ محمد ناصر عندلیب][1] کو مبعوث کیا اور انھیں مخلوق کی طرف بھیجا اور انھوں نے لوگوں کے لئے اسی دعوتِ محمدی کا دروازہ کھول دیا جو رسول مقبولؐ کے زمانے میں کھلا ہوا تھا اور اس طرح بابِ مدینۂ علم کا دروازہ کُھل گیا اور عام مخلوق کی اصلاح اور ارشادِ عام کے لئے اس امام اور رسول علیہ السلام کی مکمل طور پر پیروی کرنے والے نے، جن میں جامعیت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے طفیل کے فیضان سے محمدیۃ خالصؐ کی تعلیم حاصل کی تھی اور لوائے محمدی، جو وراثتاً جدِ اعلیٰ سے ان تک پہونچا تھا، اسی لوائے محمدی کو بلند کیا تھا اور انھوں نے ہر چھوٹے اور بڑے کو اسی خالص محمدیت کی پیروی کی دعوت دی تھی اور ایک خاص طریقے کے ذریعہ اللہ اور رسولؐ کی قربت حاصل کرنے کا دروازہ کھول دیا تھا اور ظاہری طور پر بھی جہادِ فی سبیل اللہ کے لئے کار آمد مضبوط ایک حربہ اختراع کر کے اس کا نام لوائے محمدی رکھا تھا۔ اس کی تفصیل انھوں نے اپنی تصنیف "نالۂ عندلیب" میں بیان کی ہے۔ وہ مضبوطی سے اس جھنڈے کو پکڑے رہا کرتے تھے اور اپنے دست مبارک سے خود

---

[1] خواجہ محمد ناصر عندلیب خود اس سلسلے کے بانی تھے اور ان پر اس طریقہ کا کشف ہوا تھا۔ اس طریقہ کو وہ شرع محمدی کے عین مطابق اور اسلام کا اصلی و بنیادی طریقہ سمجھتے تھے۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ علم الکتاب۔ ص: ۸۵-۸۶۔

انھوں نے اس جھنڈے کو اپنے جانشین کے سپرد کیا تھا اور اسے مضبوطی سے پکڑے رہنے کا حکم دیا۔ اپنی مخصوص کلاہ [ٹوپی] اسے پہنا کر خلافت کا تاج اس کے سر پر رکھا۔ اور اس تخت پر اسے بٹھا دیا جس پر وہ خود بیٹھا کرتے تھے۔ اور جس کا نام تعبر تھا۔ اپنے حکم سے اسے خواص و عوام کا پیشوا اور امام مقرر کر دیا اور اس نسبت محمدیہ خالصہ کے رُکے ہوئے سمندر کے پانی کو اجازت کے فیض سے متحرک کر کے روئے زمین پر موج زن کر دیا۔ اُس سمندر ذخار سے حقائق اور معرفت کے بے شمار بڑے موتی محمدیانِ خالص کو حاصل ہوئے۔ طالبوں کی کشتیاں ان کی منزل مقصود تک پہنچ گئیں۔ مخالف لوگوں کے گھر مسمار ہو گئے اور دین کے دشمن اس سیلاب میں غرق ہو گئے۔ اور لوگ جن کو خالص محمدیہ پر کامل یقین تھا ان کے باطن اور ظاہر پاک وصاف ہو گئے اور یہ اعلیٰ و افضل سلسلہ قیامت تک جاری وساری رہے گا اور نہر کے مثل یہ سلسلہ حوضِ کوثر سے جا ملے گا۔ قرآنی حقائق اور احادیث نبوی کی برکتیں سادات محمدی کے شامل حال رہیں گی۔ کما قال علیہ السلام فی حق کتاب اللہ وعترتہ ولن ینفرقا حتی یردا علی الحوض [جیسا کہ رسولؐ نے فرمایا اللہ کی کتاب اور اپنے خاندان کے بارے میں] اس لیے خاندانِ آل نبی کے ان سلسلوں اور طریقۂ محمدی کے اس مقتدا نے سب لوگوں کو اس طریقہ کی پیروی کی دعوت دی جو سنتِ محمدی سے آراستہ و پیراستہ تھا اور حبیبِ خدا کی بیت اور اپنی نیابتِ سنیت [پھیرنے والی حق کی طرف] جو حق تعالیٰ کی نیابت ہے، توحیدِ مطلق کی طرف دعوت دی۔ بلا کچھ کہے سُنے اپنی صحبت کی برکت سے ان کے دل میں نسبتِ باطنی کے القا[1] کا دروازہ کھول دیا اور اتحاد اور امتیاز کے بارے میں جامع تقریر کرتے تھے اور ترتیب

---

[1] القاء: عارف سالک کے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم غیب وارد ہوتا ہے، اُسے القاء کہتے ہیں۔

اور پاسِ شریعت کے لیے امتیاز کو بڑی حد تک ملحوظ رکھتے تھے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ سنت اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم یہی ہے اور ظاہری طور پر مرتبۂ ظاہر باطن کے مرتبے پر غالب ہے اور مرتبۂ باطن کا پلہ باطنوں میں مرتبۂ ظاہر پر غالب ہے۔ وللظھور والبطون مراتب بلا نھایۃ ففی کل ظھور اضافی بطون اضافی ولکل بطون اضافی ظھور اضافی والظھور المطلق والبطون المطلق متحدان فی مرتبۃ الوجود المطلق والظھور عین البطون والبطون عین الظھور فی ذلک الموطن وھو الظاھر والباطن وھو بکل شیٔ

[ظہور وبطون کے لیے بے نہایت مراتب ہیں اور ہر اضافی ظہور میں اضافی بطون ہیں اور ہر اضافی بطون کے لئے اضافی ظہور ہے۔ اور ظہور مطلق اور بطون مطلق دونوں وجود مطلق کے مرتبے پر متحد ہیں اور ظہور عین بطون ہیں اور بطون عین ظہور ہیں اور وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے]

مجملاً ہمارے حضور اقدس [خواجہ محمد ناصر عندلیب] کی مجلس میں "ہمہ اوست" اور "ہمہ ازوست" کے بارے میں بحثیں نہیں ہوا کرتی تھیں حالاں کہ یہ موضوع اس دور کے مشائخ بے رعب [بے اثر مشائخ] کی مجالس میں نقل کی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن تاہم کسی کی کیا مجال تھی کہ ایسی باتوں کا ذکر کرتا اور ساتھ ہی آں [خواجہ محمد ناصر عندلیب] کی زبانِ مبارک سے صوفیاء کی اصطلاحیں بہت کم نکلتی تھیں۔ حسب ضرورت وہ قرآنی آیتوں اور حدیثوں کی روشنی میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ وجود وشہود، عین اور غیر جو صوفیاء اور ناظرین کی بدعتیں ہیں، مطلقاً ان کا ذکر نہ آتا تھا۔ ہر طالب کو توجہ الی اللہ[1] کی تعلیم دی جاتی تھی جو

---

[1] توجہ الی اللہ: اللہ کی طرف توجہ۔ توجہ کے دو معنی ہیں۔ (۱) یہ کہ قلبی طاقت دوسروں کے دلوں پر ڈالنی اور ان کو اپنے اختیار میں لانا اور (۲) یہ کہ اپنے وجود کو نابود کرنا یعنی اپنی خودی کو مٹانا اور صرف ذات حق تعالیٰ کو موجود اور ہست جاننا۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ اصطلاحات صوفیہ: ص ۳۲۔

توحید کی اصل ہے۔ اور وہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ہر حال میں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کو حقیقی فاعل اور اُسی کو مارنے والا، جِلانے والا، نفع اور نقصان پہونچانے والا، بلاشبہ اُسی کو ذلت دینے والا اور بلا تذبذب اُسی کو بلندی اور پستی دینے والا اور بلاشبہ اسی کو بخشنے والا، قہر کرنے والا، روکنے والا، اور کھولنے والا اور بلا تردد اسی کو خالق اور رازق جاننا چاہیے۔ صرف ایک ہی کو حقیقت جاننا چاہیئے اور ہر حال میں اسی سے محبت پیدا کرنی چاہیئے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کو موجود نہ جاننا چاہیئے۔ اشیائے خارجہ کے تحوّل [پھر جانا ایک حال سے دوسرے حال میں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا] اور قوتِ مجازیہ میں اور ان کے ارادہ اور مشیت اعتباریہ میں اُسی قدرتِ حقیقی، واحدِ یکتا اور اسی ایک کی مشیت کا فی الواقع مشاہدہ کرنا چاہیئے۔ قوتِ ایمان اور نسبتِ ایقان[1] کی یہ حالت باطن میں ہونا چاہیئے اور ماسوا اللہ کو دل کی آنکھ سے بالکل نہ دیکھنا چاہیئے اور انھیں دل میں جگہ نہ دینا چاہیئے۔ ہر قول اور فعل میں حق تعالیٰ سے آگاہی کا رشتہ ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دینا چاہیئے۔ کیوں کہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ[2] اِلَّا بِاللّٰہِ، اس سے تجلّی فعلی کی پردہ کشائی ہوتی ہے۔ اور مَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ [نہیں چاہتے ہو تم مگر جو اللہ چاہتا ہے] اس بات سے دل کے خطرات دُور ہو جاتے ہیں۔

وہ [خواجہ محمد ناصر عندلیب] کہا کرتے تھے کہ سارے سیر و سلوک اور توحید کا ماحصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہمیشہ مشغول رہا جائے اور خود کو اور تمام عالم اور مخلوقات کو محیطِ عرش سے مرکزِ فرش تک اللہ تعالیٰ کے وجود میں محو و فانی کر دینا چاہیئے۔

---

[1] عارف کا وہ انتہائی مقام ہے کہ اُسے اس امر کا عین الیقین ہو جائے کہ ہر ذرّہ میں ذات باری تعالیٰ ہے اور اسی میں محو ہو جائے۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۴۔

[2] گناہوں سے پھرنا اور اطاعت کی قوت پیدا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

ماسوا اللہ سے اپنے دل کو پاک کر لینا چاہیے اور ماسوا اللہ سے متعلقہ تمام چیزوں سے قطع تعلق ہو کر اسی ایک ذاتِ واحد سے تعلق پیدا کرنا چاہیے کیونکہ توحید محمدی اور توحید مطلق یہی ہے جس کی وجہ سے نجات ملتی ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اس بات کی خبر دیتی ہے۔ چناں چہ ان تمام خبروں میں سے یہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عین دیکھنا، غیر سمجھنا وغیرہ کا شمار زوائد میں ہوتا ہے۔ اس لیے خالص محمدیوں کو اس طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیے اور ان زائد بحثوں کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ ان زائد بحثوں سے مختلف شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ یہ بحثیں کسی اور کام نہیں آتیں۔ یہ شکوک اور شبہات آدمی سے آدمیت چھین لیتے ہیں اور ایمان اور اسلام کے چراغ کو بجھا دیتے ہیں۔ اس طرح کی بحثیں فضول بات کرنے والوں، کاہل، اور سہولت پسند پیشہ وروں کے لیے چھوڑ دینا چاہیے اور کسی بھی صورت میں اُن لوگوں سے سوال و جواب اور گفتگو نہ کرنی چاہیے کیونکہ وہ لوگ ایسے نہیں ہیں کہ اُن سے بات کی جائے۔ لَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا وَلَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا [ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں ہیں اور ان کے دل ہیں جس سے وہ سمجھتے نہیں ہیں]

اے میرے عزیز! توحیدِ محمدی، جو توحیدِ مطلق ہے، اور وجود کی شرط کے ساتھ لا کے مرتبہ [بمرتبۂ لابشرط وجود] سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ اس کے عام معنی ہیں۔ اور لسانِ صدق علیہ [جو بات کہی گئی ہے سچ ہے] وہ بذاتِ خود مرتبۂ اطلاقِ وجود ہے۔ اور مقید اپنے بے شمار لوگوں میں شامل ہے اور مقید کی گئی اُن توحیدوں پر محیط ہے جو توحید وجودی و شہودی ہیں۔ توحیدِ وجودی کا تعلق کسی چیز کے وجود سے مشروط ہے اور توحید شہودی کا تعلق کسی چیز کے وجود کے نہ ہونے سے تعلق رکھتا ہے اور ماصدق علیہ [جو بات کہی گئی

سچ ہے] - یہ دونوں توحید اضافی[1]، ان دونوں وجودِ اعتباری سے تعلق رکھتی ہیں - اس لیے جو لوگ حضرت رسول علیہ السلام کے تابع ہیں اُن محمدیانِ خالص کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ لوگ توحیدِ مطلق کے اسی عام معنی اور مفہوم کلی کے مطابق لوگوں کو رسولؐ کی سنت کے اتباع کی طرف دعوت دیں جو ایمان اور اسلام کا ماحصل ہے اور اس ذاتِ حق تعالیٰ کی وحدانیت کا تصور اور یقین اسی میں پایا جاتا ہے - مجہول الکیفیۃ میں گرفتار لوگوں کی طرح اور جزئیات کو دیکھے بنا جو توحیدِ وجودی اور توحیدِ شہودی کے مترادف ہے، اس توحید مطلق کا مجملاً ذکر کرنا چاہیئے - اور مومنین کو اس شرک سے باز رکھنا چاہیئے جو کفر کا باعث، نجات کا مانع، اور طریقۂ محمدی کے خلاف اور مرتبۂ الوہیۃ کے لیے پردہ کے مانند ہے، تعلیم و تفہیم، یا لطف و محبت، قہر و غضب، جود و عطا، سیاست وجفا، جذب و تصرف، تسلط و تحکم کے ذریعہ اس کام کو کرنا چاہیئے اور بحث و گفت و شنید کا راستہ ہرگز نہیں کھولنا چاہیئے - اُن صوفیا رخام و کم مایہ ملاؤں کی طرف سے خاموشی اختیار کرنی چاہیئے - جو اس طرح کی بحثوں اور جھگڑوں میں پڑتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ نہ ہونا مستحسن اور بہتر ہے - کیوں کہ متذکرہ صورت میں خلق اللہ کی ہدایت اور ان کی تلقین میں ان کے لئے بہت سی بھلائیاں اور فوائد ہیں، رشدوں اور پیروؤں کے لیے بھی اور رسول کریمؐ کی سنت بھی یہی ہے - دلائل اور براہین پر اپنے مطالب کی بنیاد رکھنا حکمار کی روش ہے، یہ انبیار کا راستہ ہے - حالانکہ بعض مطالب کو اتفاقاً

---

[1] بندہ اور خدا کے درمیان جو نسبت ہے اُسے اضافت کہتے ہیں - اس کی دو قسمیں ہیں:-

(۱) اضافتِ حقیقی یعنی عبد باعتبار حقیقت اور وجود اپنے کے عین رب ہے -

(۲) اضافتِ اعتباری یعنی عبد، اور رب میں غیریتِ اعتباری ہے یا باعتبار تعین و اطلاق کے - جیسے دریا - موج، حباب - تخم، درخت -

دلیل کے ذریعہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ حکماء کے بعض امور کو اشراق [حکمائے سلف کا وہ گروہ جو باطن کی روشنی کے باعث مکاشفہ اور مراقبہ کے ذریعہ پڑھتے پڑھاتے تھے، اس لیے انھیں ملاقات باہمی کی ضرورت نہ پڑتی تھی] کے برخلاف حکمائے مشائین [اس جماعت کے لوگ ایک دوسرے کے پاس جاکر حالات دریافت کرتے تھے چناں چہ افلاطون اور بقراط زمرۂ اشراقین میں سے تھے] بیان کرتے تھے۔ لیکن اس طرح کے اتفاقی فیصلوں کو ہمیشہ کے لئے ایک طریقہ نہیں بنالینا چاہیئے۔ لیکن سلسلۂ محمدیہ کے پیروؤں کو جس قدر بھی تحریر وتقریر، برہان وکشف اور عقل ونقل کے ذریعہ حاصل ہو وہ بہتر ہے کیوں کہ یہ طریقہ مخلص اور غیر مخلص دونوں کے لیے مفید ثابت ہوگا اور یہ منصب اکملیۃ کا ہے لیکن خود اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو، امور معقولہ، مطالب منقولہ کی تقویت اور استحکام کا باعث ہوں۔ دینِ مبین اور طریقِ متین محمدی کی فتح دلائل اور براہین کے ذریعہ بھی ہونی چاہیئے کیوں کہ محمدیان خالص کا یہی مسلک ہے اور اُن برگزیدہ بندوں کا مقصود کتاب وسنّت کا اتباع کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا ہے۔ ضمناً کشف اور برہان کا ذکر کرتے وقت وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خدمت اور اس سے قوت طلب کرنے کی نیت رکھتے ہیں، اور اُن کی یہ دونوں باتیں علمِ اصول کی اُن دو دلیلوں کے مترادف ہیں جو اجماع وقیاس کہلاتی ہیں۔ اس کے برخلاف ایسا نہیں ہے کہ امورِ منقولہ [احادیث] کے تکلف کے ساتھ تاویل کرکے انھیں امورِ معقولہ کا پابند کردیا جائے اور اپنے کشف اور برہان کے ذریعہ اُن امور منقولہ کو تکلف سے مطالب معقولہ میں منقید کر دیا جائے اور اس طرح سے دائرۂ اسلام سے نکل جایا جائے جیسا کہ مشرب صوفیاء اور اربابِ معقول کا ہے، اور اُن اربابِ ذوق اور دانشوروں کا مقصد اپنے باطنی کشف اور عقلی دلیل کا بیان کرنا ہے لیکن مصلحتاً اس سلسلے میں کہیں کہیں اور سنّت کو بطورِ شہادت پیش کرتے

ہیں اور اپنی معرفت[1] کی صحت کی نیت اور اسلام کا خود اپنے کو ترجمان سمجھتے ہیں۔ اُن کے خیال میں اُن کی یہ دونوں باتیں اپنے ذاتی وجدانی دلائل اور کشف کے ذریعہ حاصل کردہ امور کی حیثیت رکھتی ہیں، حالاں کہ اولیاء کے وجدانی کشف کی حضرات انبیاء کے حقیقی کشف سے کوئی نسبت نہیں ہے اور حکماء کی عقلی دلیل کو انبیاء کے واقعی اخبار سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ [اور اگر آپ ان خواہشات کا اتباع کریں گے بعد اُن کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو اللہ کی طرف آپ کا کوئی ولی اور مددگار نہ ہوگا]

لہذا کام تو یہی ہے کہ حتی الوسع اپنی اور بنی نوعِ انسانی کی اصلاح کی جائے اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اپنی، ان کی اور ان کے تابعین کی نجات اسی عمل میں ہے۔ اس لیے لوگوں کو صرف وہی راستہ بتانا چاہیے جو ان کے حق میں باعثِ خیر و برکت ہو، صورِ کونیہ کے گہرے نقوش کے باعث جس کسی کے نفس میں خلقیت اور ظرف امکانیہ غلبہ پاچکی ہو، اور حقیقت کا عدم ادراک اُن کے مزاج میں غالب آچکا ہو، اور [معرفت و سلوک] کی راہ طے کرنے میں اس کی خودی سنگِ گراں بن رہی ہو۔ اور اثنینیت اور شرک اس کے دل میں قوی ہوگیا ہو، تو مجبوراً اس کے باطن میں نسبتِ اتحادیہ کا القا کر کے توحید کے حقائق اس کے سامنے بیان کر کے اسے افراطِ کثرت غیریت کے مرتبہ سے نیچے لاکر اعتدال کی منزل پر لاکر، اس کی خودی کے غبار کو توحید کے علم کے ذریعہ صاف کر کے، فنافی اللہ[2]

---

[1] اللہ تعالیٰ کو پہچاننا اور اس کا علم حاصل کرنا۔ اس کی تین قسمیں ہیں: معرفتِ عقلی، معرفتِ علمی اور معرفتِ کشفی۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ اصطلاحاتِ صوفیہ۔ ص: ۱۳۱-۱۳۲۔

[2] سالک کا جملہ مراتب صفات و مدارج عروج و زوال طے کر کے ذات حق تعالیٰ میں محو ہو جانا۔ اس کا زینہ فنافی الرسول ہے۔ یہ تیسرا درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔

کے مرتبے میں پہونچا دینا چاہیئے تاکہ مکمل طور پر علین کے تصور کا زوال ہو جائے اور اس میں اس کا اثر رونما ہو جائے اور اس میں نفی ارادت اور نفی مرادات کی حالت پیدا ہو جائے۔ اس کیفیت کا تعلق مقامِ رضا[1] سے ہے۔ اور جن لوگوں کی طبیعت پر حقیقت اور الوہیت کی سمت توجہ کی وجہ سے مرتبۂ علو کی طرف حقیقت کے کشف نہ ہونے کی بنا پر غلبہ ہو گیا ہو اور ایسے لوگ جو حالتِ سُکر اور بے خودی کے سبب سے احاطۂ ادب سے باہر نکل گئے ہوں تو ان لوگوں کے سامنے امتیاز کے مرتبوں کا ذکر کر کے حقائقِ ممکنہ[2] کی غیریت کو مرتبۂ علیائے وجوبیہ کے ذریعہ امکان اور وجوب کے فرق کو بیان کر کے ایسے سیہ مستوں کو ہوش میں لاکر اور بعد الجمع کے مقام سے صحو کے مقام پر لاکر انھیں باقی باللہ[3] کے مقام پر پہونچا دینا چاہیئے تاکہ وہ مستانہ لغزش سے بچ کر الوہیت کے مشاہدہ کے ساتھ عبدیت کے سیدھے راستے پر ہمیشہ قائم رہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ پہلے کی طرح ٹھوکریں نہ کھائیں کیونکہ ایسے لوگوں کی ظاہری و باطنی اصلاح کرنا عارفوں کا کام اور انبیاء کے پیروؤں کا شعار ہے جو ان کے لئے عام رحمت اور مکمل ہدایت کا باعث ہو۔ عارفوں کا طریقہ فساد پیدا کرنا نہیں ہے، یہ راستہ شیطانوں اور ان کے تابعین کا ہے۔ حضرات انبیاء اور اولیاء جو اسمِ ہادی کے مظاہر ہیں ان سے کسی بھی حالت میں ہدایت کے علاوہ کوئی

---

[1] مقامِ رضا: اپنے مولا سے ہر حال خوش رہنا اور سالک کے پنجگانہ مقامات میں سے یہ ایک مقام ہے۔

[2] حقائقِ ممکنہ: عالمِ ارواح، عالمِ اجسام، و عالم مثال کے حقائق۔

[3] باقی باللہ یا بقا باللہ: سالک کے اس مقام کو کہتے ہیں کہ جب وہ اپنے وجود کی نفی کر کے اپنے آپ کو ذات حق تعالیٰ کے ساتھ باقی سمجھے یعنی ماسوا اللہ کو معدوم اور ذات باری تعالیٰ کو موجود سمجھے۔

دوسرا امر یا کام صادر نہیں ہوتا ہے۔ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ.
[یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے۔ ان کی ہدایت کی آپ پیروی کیجئے]

اس حقیقت کا بیان جو وحدت الوجود اور وحدت الشہود اور توحید کے ان دونوں نظریوں کے پیروؤں کے حالات کی تفصیل دراصل وہ توحید مطلق کا بیان ہے۔ اس بندہ [خواجہ میر دردؔ] نے اس تفصیل کو قلم بند کیا ہے اور میری یہ تحریر، خدا شاہد ہے نہ تو وجودیہ اور شہودیہ ان دونوں فریقوں میں سے کسی فریق سے مخالفت کی بنا پر ہے اور نہ ہی اپنی نفسانی خواہش کی وجہ سے ہے بلکہ اس بیان کا مقصد ان دونوں طریقوں کے پیروؤں کی اصلاح کرنا اور اُن میں تطابق پیدا کرنا ہے۔ اور بے جا باہمی مخالفت اور تنازعہ کو دور کرنا ملحوظ ہے کیوں کہ ان دونوں فرقوں کے کامل حضرات کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا تھا اور اللہ کی مدد سے ان کے مابین جو یہ فاصلہ کیا جاتا ہے، اس کی تحقیق واضح ہے اور حقیقت کو ثابت کرنا انصاف پر مبنی ہے کیوں کہ وجود و شہود نظریہ کے پیرو کسی فرد کی جانب داری کرنا مقصد ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی تعصب یا مخالفت کو اس میں دخل ہے جیسی ناسمجھوں کی عادت اور جاہلوں کا طریقہ ہوتا ہے۔

وما ارید ان اخالفکم یا یہا الذین اختلفوا بالجہالۃ الی ما انہٰکم عنہ من المعلومات الباطلۃ والمفہومات الفاسدۃ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت باعتبار الطاقۃ البشریۃ وقدرۃ البیان وما توفیقی ھذا الاظہار المحمدیۃ الخالصۃ وبیان التوحید المحمدی الا باللّٰہ الجامع الذی لوشاء لھدٰکم اجمعین علیہ توکلت ظاھرًا وباطنًا والیہ اُنیب فی السر والعلن [میں نہیں چاہتا ہوں کہ میں تمہاری مخالفت کروں، اے وہ لوگو! جنھوں نے جہالت کی وجہ سے اختلاف کیا ہے اور میں ارادہ کرتا ہوں جہاں تک میری استعداد میں ہے کہ میں اصلاح کروں اور توحید محمدی کے اظہار کے لئے صرف اللہ کی توفیق درکار ہے

اور اللہ جو کہ جامع ہے اور اگر وہ چاہے تو وہ تم سب کو ہدایت دے دے، میں نے اس پر ظاہری اور باطنی طریقے پر بھروسہ کیا ہے اور میں اسی کی طرف علانیہ اور پوشیدہ طور پر متوجہ ہوتا ہوں]

یہ بات تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مرضی اور ہادیٔ مطلق جل برہانہٗ کی سنت ہدایت کی شریعت میں اور جامعیت کے ساتھ توحید کے بیان کا طریقہ قرآن اور حدیث میں مسطور ہے جس میں وجودی اور شہودی دونوں معنی شامل ہیں۔ چنانچہ کلام اللہ اور حدیثوں کی کتابوں میں ایسی بعض آیتیں اور حدیثیں ملتی ہیں اور بیان کی گئی ہیں کہ صوفیائے وجودیہ اور "ہمہ اوست" کے پیرو ان حدیثوں اور آیتوں کو پکڑتے ہیں اور اپنے مطلب کی سند ان سے حاصل کرتے ہیں۔ قرآن اور حدیث میں اکثر جگہ ایسا وارد ہوا ہے اور ان کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ارباب شہود اور "ہمہ از اوست" کے پیرو ان آیتوں اور حدیثوں سے دلیل پیش کرتے ہیں لیکن ان دونوں طریقوں کے ناواقف کار لوگ عینیت اور غیریت کی حقیقت کو سمجھنے کے وہم میں بیکار گرفتار ہیں اور دونوں قسم کی توحید جن کا ماحصل ماسوااللہ کے تعلق سے دل کو آزاد کرنا اور ہمیشہ اللہ کی طرف متوجہ رہنا ہے اس سے وہ لوگ بے بہرہ ہیں۔ خدا اور رسول کے کلام سے حاصل کلام کو دریافت کرنے کے بجائے وہ لوگ دن رات لفظی توجیہات اور لسانی تقریروں میں اپنی عمر ضائع کرتے ہیں۔ چوں کہ وہ لوگ باطنی قربت کے معاملے کی اصلیت سے بے بہرہ ہیں اور تجلی محمدی کے فیوض کا دروازہ ان کے دلوں میں نہیں کھلا ہے اس لیے جامعیت کے اعتدال کے مرتبے سے وہ لوگ غافل ہیں۔ اسی وجہ سے آیاتِ قرآنی اور حدیثوں سے حاصل کردہ مطالب پر مجموعی طور پر نظر نہ ڈال کر وہ لوگ نسبت غیریت و عینیت کے اثبات کے لیے افراط و تفریط کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اپنی جہالت اور طبیعتوں کے رجحان کی وجہ سے ایک دوسرے کے خلاف راستہ اختیار کرتے ہیں اور تعصب کی بنا پر

ایک دوسرے سے آپس میں مجادلہ کرتے ہیں اور ان آیتوں کی تاویلات میں بے تکلف گرفتار ہیں جو ان کے مقاصد کے خلاف پڑتی ہیں اور بے جان توجیہات پیش کرتے ہیں اور اس قسم کے تصنعات کام میں لاتے ہیں حالاں کہ اس حقیقت کے اظہار کے لیۓ خود اللہ تعالیٰ واضح طور پر بیان فرماتا ہے اور ان بے خبر لوگوں کو آگاہ کرتا ہے کہ اے نافہم لوگو! افتؤمنون ببعض منہ المقصود فیہا حکم اوبستر معناہ الاصلی بتاویل باطل لیس مراد اللہ فما جزاء من یفعل ذلک منکم یا ایہا المحجوبون الاخزی فی الحیٰوۃ الدنیا بالتذبذب وعدم التسکین ویوم القیامۃ ھؤلاء المردودون المحجوبون یردون الی اشد العذاب وما اللہ بغافل عما تعملون [اے نا سمجھو! کیا تم ایمان لاتے ہو کتاب کے بعض حصوں پر اور تم انکار کرتے ہو اس کے بعض حصے کا۔ اپنی سمجھوں کے قصور کے بنا پر یا اس کے اصلی معنی کو چھپانے کے ذریعہ اور باطل تاویلات کے ذریعہ جس کی مراد اللہ تعالیٰ کی نہیں ہوتی ہے۔ اس شخص کا بدلہ تم میں سے کیا ہوگا؟ جو اس قسم کی حرکت کرتا ہے بجز اس کے کہ اس کو دنیاوی زندگی میں بھی رسوائی ہوگی اور قیامت کے دن بھی اس قسم کے لوگ سخت عذاب میں مبتلا کیۓ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے]

یہ بات جاننی چاہیۓ کہ دراصل اور فی الواقع معرفت تو وہی ہے جو ادراکِ صحیح کے نور سے اسرارِ حقیقت کی کاشف [پوشیدہ بات کو ظاہر کرنے والا] ہو اور یہاں حقیقت سے مراد حقیقتِ وحدت ہے اور حقیقت عینِ شریعت ہے۔ اس لیے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ صحیح معرفت وہی ہے جو کہ شریعت کے مطابق ہو اور جس عام معنی میں حقیقت کو سمجھا جاتا ہے وہ معنی شریعت سے الگ ہوتا ہے اور اس کی نسبت مفہومِ کلّی سے ہوتی ہے۔ لہٰذا مثال کے طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ حقیقت کا وہ عام مفہوم اسی ہیچ

بر ہے جیسے کہ زیدؔ سے نسبت کے لحاظ سے ان کا عام مفہوم ہوتا ہے اور جس طرح شریعت کا حقیقت سے خصوصی تعلق ہوتا ہے، اسی طرح شریعت سے حقیقت کی نسبت کا مفہوم جزوی ہوتا ہے، اسی مخصوص مفہوم کے لحاظ سے جیسے کہ زید کی نسبت انسان سے ہوتی ہے۔ اُسی طرح مظاہرِ مطلقہ[2] کی نسبت کے لحاظ سے حقیقت کا خاص مظہر شریعت ہے۔ چناں چہ بنی نوع افراد میں زید کو بحیثیت ایک خاص فرد کی حیثیت حاصل ہے اور معنوی اعتبار سے انسان اور زید کے مابین ایک رشتۂ اتحاد پایا جاتا ہے اور اس طرح انسان بذاتِ خود زید کا عین ہے اور معنوی اعتبار سے انسان اور زید کے درمیان ایک امتیازی نسبت ثابت ہوتی ہے کیونکہ زید اس حقیقت کا ایک عنصر ہے اور انسان کلّی[3] اضافی ہے۔ اس طرح اگر زید کو بحیثیت ایک فردِ شریعت کی جگہ فرض کیا جائے اور اگر حقیقت کو حقیقتِ وحدت کی جگہ بیان کیا جائے تو اس لحاظ سے بنی نوعِ انسانی کے دوسرے افراد میں جو عمرؔ اور خالدؔ اور ان کی طرح ہوتے ہیں [حقیقت وحدت] جلوہ گر ہوتی ہے اور دوسرے مظاہر حقیقت میں بھی، جن کے طریقے اور قوانین غیر مجہری ہیں اور اُن طریقوں اور قوانین میں ہر جگہ ایک مفہوم اور ایک حقیقت کا ظہور دیکھا جاتا ہے اور ہر ایک فرد اور ہر ایک مظہر میں اسی نسبت اور واحد حقیقت کا مشاہدہ ہوتا ہے اور جس طرح [اُن کو] زید کا عین سمجھا جاتا ہے، اُسی طرح انسان خود کو بھی حقیقتِ وحدت کا عین

---

[1] مقید، عین مطلق نہیں ہوتا اگرچہ مطلق عین مقید ہے۔ چناں چہ انسان عین زید ہے اور زید عین انسان نہیں ہے کیوں تمام افرادؔ اس میں شامل نہیں ہیں۔

علم الکتاب۔ ص: ۱۴۹ - ۱۵۰۔

[2] مظاہرِ مطلقہ: اللہ تعالیٰ کے مظاہر۔

[3] کُل سے نسبت رکھنا۔

سمجھتا ہے اور عوارض انسانیہ [انسانی عارضے] جن کا تعلق اُمور کلیہ [مجموعی اُمور] سے ہے جیسے "ابتداء من اللہ [اللہ سے شروع کرنا] اور عود الی اللہ [اللہ کی طرف لوٹنا] انسان خود کو اپنی طریقت اور شریعت کو اور تمام شریعتوں اور طریقوں کو ایک دوسرے کے مشابہ پاتا ہے اور وہ شخص اس کلمہ: تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم [ایک ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک یا یکساں ہے] سے گفتگو کرتا ہے لیکن جزوی امور میں جن کا تعلق ایک خاص شخصیت، خاص شریعت اور ایک خاص طریقے سے ہے، ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس طرح اس کی صورت دوسرے افراد میں ممتاز، اس کی شریعت دوسروں کی شریعت سے الگ اور اس کا طریقہ دوسروں کے طریقے سے منفرد ہوگا۔ بنی نوعِ انسان میں ہر فردِ واحد کا ہنسنا، اور چلنا، اس کا مذہب آئین اور راہ ورسم اسی طرح پر جدا ہوگا جس طرح حقیقتِ وحدت کے مظاہر ایک دوسرے سے جُدا ہوں گے۔ کیوں کہ اس معنی کا ظاہر ہونا عالمِ بے اختیاری [وہ دنیا جس پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے] سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر شخص اور ہر فرقے کی زندگی، بسر اوقات کا طریقہ، اور طرز معاش اپنے خاص طرز اور مخصوص راہ ورسم کے مطابق ہوگی اور ہر فرقے کا قول وفعل، اس کی سمجھ بوجھ، ان کے رہنماؤں اور ان کے پیروؤں کی سمجھ بوجھ کے مطابق ہوگی۔ یہ بات بڑی مشکل ہے کہ وہ تمام کام، جن کا تعلق بنی نوع انسان سے ہے ایک تنہا شخص سر انجام دے دے یا ایک فرقہ کے لوگ تمام دوسرے فرقوں کے رسوم ادا کریں جیسا کہ بعض بے دینوں کو وہم ہوتا ہے۔ وہ لوگ آسانی اور ریاکاری کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔ اور اس بات کو اپنے خیال میں عرفان سمجھ کر اس کا نام وسعتِ مشرب رکھ دیتے ہیں۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص حسبِ ضرورت اپنے خاص فرقے میں شامل ہوگا اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے اماموں اور پیشواؤں کے حکم کے مطابق وہ اپنے

تابعین کو دعوت دے گا۔ اور امر و نواہی عائد کرے گا۔ اس گفتگو سے مذاہب میں آپسی برابری خیال نہ کرنا چاہیے اور بعض صوفیائے خام کی طرح کفر اور اسلام کو مشابہ نہیں دیکھنا چاہیے کیوں کہ مصدق الدینین [دو دینوں کی یکسانیت کی تصدیق کرنے والا کافر ہے] ہرچند کفر اور اسلام کا خالق ایک ہی ہے اور وحدت الٰہیہ کے مرتبہ سے یہ دونوں امر ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ بہرحال اسلام حق ہے۔ وھو مظہر لاسمہ الہادی وابتدأ منہ ویعود الی اسمہ الرحیم والغفور والکفر باطل وھو مظہر لاسمہ المضل وابتدأ منہ ویعود الی اسمہ القہار والمنتقم [اور وہی اپنے ہادی کا مظہر ہے اور اسی سے مبدأ ہوئی ہے اور اپنے رحیم وغفور کی طرف لوٹے گا۔ اور کفر باطل ہے اور اللہ کی صفت مضل کا مظہر ہے اور اسی سے شروع ہوا ہے اور اسی کے اسم قہار اور منتقم کی طرف لوٹے گا]

اس عہد میں محمدیان خالص کے لیے وہ زمانہ نہیں رہا ہے کہ وہ اس آیت: لکم دینکم ولی دین [ہمارا دین ہمارے لئے اور تمہارا دین تمہارے لئے] کی تعلیم کے مطابق عمل کریں لیکن اب تو ایسا زمانہ آگیا ہے کہ: فاتبعونی یحببکم اللہ [اگر تم میرا اتباع کروگے، خدا تم سے محبت کرے گا] اس آیت کے مطلب کی خوشخبری اپنے دوستوں میں سے ہر ایک کو سنا دیں۔ غرضکہ تمام افراد میں وہی جمالِ انسانی مشاہدہ میں آتا ہے جو زید کو حاصل ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی مخصوص صورت میں قائم ہے اور اپنے کو اسی ایک تجلی سے مشخص ہوکر دن رات اپنے معمول کے کاموں میں منہمک ہے اور اسی صورت میں حقیقتِ انسانیہ میں واصل ہے۔ اسی طرح محمدیوں کو چاہیے اور محمدیت خالص کے پیروؤں پر یہ بات لازم آتی ہے کہ حقیقت اور شریعت کو فی الواقع خالص طریقۂ محمدیہ کا عین سمجھیں [یعنی حقیقت اور شریعت، حقیقت میں خالص محمدیت کا طریقہ ہے] اللہ تعالیٰ نے جو اُن کو نصیب کر دیا تھا۔ وانستہ طور پر پختہ اعتقاد پیدا

کر کے تہہ دل سے ظاہری اور باطنی لحاظ سے اپنے مرشد کے اتباع میں مصروف ہوجائیں کیونکہ اس کی صحبت کی برکت اور اس کے روحانی فیضان کی دولت سے مشرف ہوجائیں اور مکمل طور پر اس کی پیروی کریں تاکہ وہ رکن الطریقہ ہوجائیں اور جس کام کو اُن برگزیدہ افراد نے انجام دیا تھا اس کام کو خود بھی تھوڑا سا انجام دیں تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں شریعت مصطفوی اور طریقۂ محمدیہ کے لیے ان کی خدمت مقبول ہوجائے۔ اس کے باوجود کہ اسلام دوسرے فرقوں سے ممتاز ہے تاہم اسلام کے پیرو اس وحدت کو ان فرقوں میں بھی دیکھتے ہیں جو محمدیۂ مطلقہ ہے اور ان مذاہب کو مطلق محمدیہ سے خالی نہیں جانتے ہیں اور اُن فرقوں کو محض بے بہرہ نہیں سمجھتے ہیں کیوں کہ لا تکفر اھل القبلۃ [اہل قبلہ کی ہم تکفیر نہیں کرتے]۔ اس عقیدہ کا شمار اہل سنت والجماعت کے عقیدوں میں ہوتا ہے اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے خود کو، اپنے اہل وعیال، دوستوں، بیگانوں اور آشناؤں میں جن تک اُن کی رسائی حاصل ہوتی ہے، انھیں اپنے مرشد کی تعلیمات کے اتباع کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے ہم طریقہ بھائیوں کی تعداد میں اضافے کا باعث ہوتے ہیں۔ اور اپنے طریقہ کو تقویت پہنچاتے ہیں کیونکہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر کا اجر قیامت میں ملے گا۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اس عمل سے زیادہ مستحسن کوئی دوسری عبادت و ریاضت نہ ہوگی۔

ان هذا صراطی مستقیماً بلا شک و ریب ناصبوه بالصدق والیقین ولا تتبعوا السبل من سبیل المشرکین والطرق المبتدعة فتفرق بکم عن سبیله الحق وهو الطریق المحمدی ذلکم وصکم به رحمته وهذ اینه لعلکم تتقون فی الدنیا وتفلحون فی الآخرة ولا تکونوا کالذین تفرقوا من قبل باهواء انفسهم وولالة اوهامهم واختلفوا باغواء شیاطین انفسهم وجهالة طبائعهم من بعد ما جاءهم البینات۔ ایضاً واللہ

یھدی من یشاء الی صراط مستقیم [بے شک یہ میرا راستہ سیدھا راستہ ہے۔
تم سچائی اور یقین کے ساتھ اس کا اتباع کرو اور تم مشرکین کے راستوں اور نئے نئے راستوں کا اتباع نہ کرو کیوں کہ وہ مشرکین کے راستے حق کے راستے سے الگ ہیں اور حق کا راستہ وہی طریقۂ محمدی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسی کے ذریعہ رحمت اور ہدایت تم کو دی تاکہ تم دنیا میں متقی ہوجاؤ اور آخرت میں فلاح پاؤ۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو اپنی نفسانی خواہشات اور اپنے وہموں کی رہنمائی کے ذریعہ تم سے پہلے ایک دوسرے سے الگ ہوگئے اور شیطان نما اپنے نفوس اور اپنی طبیعتوں کی جہالت کی وجہ سے اختلاف کرتے رہے اس کے باوجود کہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آگئی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے صراط المستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے]

افسوس افسوس! اس زمانے میں موجود دوستو اور آیندہ آنے وا[لی] جماعت! تم حقیقت کو پہچانو اور یہ امر کا صیغہ، مضارع کے صیغہ کی طرح حال اور مستقبل دونوں کے لیے ہے اور میری مراد یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرو کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں اس مضبوط طریقے سے زیادہ اقرب اور صحیح کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے اور محمدیت کے اتباع سے روگردانی نہ کرو۔ زمانۂ حال میں بھی اور زمانۂ مستقبل میں بھی۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ [اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تمھیں محبوب رکھے گا] یہ حکم واقعی اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔

رزقنا اللہ وایاکم تبعیۃ حبیبہ علیہ السلام تبعیۃ کاملۃ بالظاھر والباطن واحیانا واماتنا علی الطریقۃ المحمدیۃ ونصرنا علی القوم المترددین
اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمھیں اپنے حبیب کی مکمل طور پر ظاہر و باطن میں پیروی عطا کرے اور ہمیں اسی طریقے پر موت دے اور ان متردد لوگوں پر ہمیں مدد عطا فرمائے]

اے سعادت مند دوستو اور بلند فطرت صاحبو! ان دونوں فرقوں [یعنی

وجودیہ وشہودیہ] کی بحث کرنے والوں کو بحث کرنے دو تاکہ وہ ایک دوسرے سے خوب لڑیں اور اپنی نادانی کی سزا پائیں۔ تم خود اور تمھاری بات سننے والے مشاہدہ کی طرف رجوع ہوں اور دائمی ذکر [یاد الہی] ، ملاقبہ کی زیادتی اور رابطہ کی نسبت کی تقویت کا پورا اہتمام کر کے ضبط اوقات میں پوری کوشش کریں اور حضور وشہود کی نسبت پر نگہداشت[1] رکھیں اور حق سبحانہ تعالیٰ سے دائمی معیت[2] کی کیفیت اپنے باطن میں پیدا کریں۔ عینیت اور اثنینیت جو اہل وجود و شہود کی بحثوں کا سرچشمہ ہے، یہ دونوں امر اعتباری ہیں۔ نہ تو وحدت جو عینیت کا منشاء ہے، حقیقت ہے، جیسا کہ ارباب وجودیہ گمان کرتے ہیں اور نہ ہی کثرت حقیقت ہے جیسا کہ ارباب اثنینیت کا وہم ہے جیسا کہ خیال ارباب شہود کا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وحدت، حقیقی ہو جائے اور کثرت اعتباری۔ کیوں کہ اس مرتبۂ قصویٰ اور ذات عالی کے بارے میں جو تمام نسبتوں اور اضافتوں سے بالاتر ہے، اس طرح کا اعتقاد نظرِ کشفی کی تنگی پر دلالت کرتا ہے۔ وہاں نہ تو کثرت ہی کا گزر ہے تاکہ اثنینیت کا تصور مرتب ہو، اور نہ ہی وحدت کی رسائی ہے کہ عینیت کا خیال پختہ ہو۔ وحدت بھی کثرت کی طرح اعتباریہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ لہٰذا اس بات کو حقیقت کس بنا پر کہنا چاہیئے اور کثرت کو محض اعتباری کیوں کہا جائے اگر وحدت واقعی حقیقی ہے جیسا کہ وحدت الوجودی صوفیاء کہتے ہیں تو ان کے مقابلے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ کثرت بھی اُسی لحاظ سے حقیقت ہے کیوں کہ یہ دونوں امر حقیقت میں موجود ہیں اور اعتباریہ بھی اپنی حقیقت رکھتا ہے اور حقیقت میں بھی اعتباریت ہوتی

---

[1] مراد قطع کرنا مسافات ہستی کا اور طے کرنا عقبات خودپرستی کا یکے بعد دیگرے۔
اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۵۸-۱۵۹؛ علم الکتاب۔ ص: ۴۷۰۔

[2] اللہ تعالیٰ کے ساتھ دائمی قرب۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۳۰-۱۳۱

ہے۔ یہ تغیر جہالت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اثنینیت کو ثابت کرنے میں تنگ آنا اور عینیت کو مستحکم کرنے سے بر آشفتہ ہونا، یہ حقیقت سے نابلد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بے سود مباحث سے زبان بند کرلی جائے، مناظرین کے سامنے خاموشی اختیار کرلی جائے۔ اور اپنی یافت [حاصل کرنا] اور نایافت [کسی چیز کا نہ پانا] پر جو ہر وقت انسان پر لاحق رہتی ہے اور تمام بنی نوع انسان کی یافت اور نایافت پر ہنسنا چاہیئے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کم مایہ لوگوں کو عجب مخمصے میں ڈال دیا ہے؟ اور اگر تم میں سے کوئی حقائق اور معرفت کے سلسلے کی کوئی بات کہے تو تم بھی دوسرے محققوں اور عارفوں کی طرح بات کہو اور کسی طرح کا وسوسہ دل میں نہ لاؤ اور جو کچھ تمہارے دل میں القا ہوا ہے، اگر وہ تمام باتیں کتاب اور سنت کے مطابق ہیں تو ان باتوں کو من جانب اللہ سمجھو۔ کیوں کہ اس طرح کے معارفِ صادقہ حق تعالیٰ کی طرف سے الہام کے بنا دل میں عقل و تفکر کے ذریعہ وارد نہیں ہوتے ہیں۔ من عرف اللہ کل لسانہ [جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی زبان گونگی ہو گئی] حالانکہ اس کی نسبت مشاہدۂ ذات سے ہے لیکن انسان کی شخصیت کی حیثیت کو اس معاملے میں دخل حاصل ہے۔ من عرف اللہ طال لسانہ [جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی زبان لمبی ہو گئی] اگرچہ صفات کا مشاہدہ کرنا مناسب ہے لیکن شخصی قابلیت کی استعداد کو بھی اس میں پورا دخل حاصل ہے اور دراصل یہ تمام معاملات عالم بے اختیاری سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ یہ باتیں قصد اور تکلف سے حاصل نہیں ہوتی ہیں اور ہر صورت میں بے بسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس شخص کو [اللہ تعالیٰ نے] جو کچھ بنا دیا، بنا دیا، اور اس کے دل میں جو کچھ ڈال دیا، ڈال دیا۔ تمام لوگوں کا ادراک اور فہم حقیقت کو دریافت کرنے اور ذات الہیہ [وجود حق سبحانہ تعالیٰ] کی حقیقت کی تہہ تک پہونچنے میں قاصر ہے۔ فہم اور ادراک ہرگز وہاں تک نہیں پہونچتی ہیں۔ اپنی قوتِ فکریہ کے ذریعہ انسان اس کی شناخت کرنے اور اس کو پانے کے ارادہ

میں بھی محض مجبور ہے اور کسی وقت بھی اس خیال سے باز نہیں رہتا ہے۔ بالخصوص وہ شخص جس کی ہمت مدرکہ تیز و تند واقع ہوئی ہو، اور اس نے چالاک طبیعت پائی ہے باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ کوئی شخص اس مرتبہ کی آخری تہ کو دریافت نہیں کر پایا ہے کیوں کہ ممکن کا واجب کی حقیقت تک پہنچ جانا امرِ محال ہے۔

اے انسان! تیرا علم، تیری جہالت پر دلالت کرتا ہے اور اس بات کو جانتا ہے کہ تم اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو نہ جان پاؤ گے کیونکہ معلومات [کی بلندی کو جاننے کی کوشش محض جہالت ہے] کا مقام آخر میں عارفین کو نصیب ہوتا ہے اور آخر میں عارف لوگ اس منزل پر پہونچتے ہیں۔ اثنائے راہ میں جو دیکھا اور سمجھا جاتا ہے وہ سب آسان نظر آتا ہے، اس سے گذر جاتا ہے اور اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور احوال معلومہ کے مطابق اور قدیم کامل لوگوں اور ان کے اخلاق سے سُنے اقوال کا عجز و ناتوانی سے اعتراف کرنا ہی انسان کے علم و عرفان کا کمال ہے اور عبودیت کا مرتبہ بھی اسی معنی کا مقتضی ہے۔ حضرت خیر البشر علیہ السلام نے فرمایا ہے: ما عرفناک حق معرفتک [ہم نے تم کو اس طرح نہیں پہچانا جیسا کہ تمہارے پہچاننے کا حق ہے] لہٰذا کوئی دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کا کیا دعویٰ کر سکتا ہے۔ رباعی:

ہر چند کدورت و صفا را یابی
لیکن نتواں کہ مدعا را یابی
گر سرِّ طبیعی و الٰہی فہمی
ممکن نہ بود کہ خدا را یابی

کدورت سے مراد موجوداتِ محسوسہ ہیں اور صفا سے مراد امورِ معقولہ اور مدعا سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کی تہ ہے۔ لہٰذا ہر باشعور انسان سے یہ کہا گیا ہے کہ تم تمام موجودات محسوسہ کا احساس کرتے ہو، اور تمام امور معقولہ کو سمجھتے بوجھتے لیکن ایسا

نہیں ہوسکتا ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی حقیقت جیسا کہ وہ ہے تم پاسکو۔ اس کے باوجود کہ تبحرعلمی کی وجہ سے تم طبیعی، اور علم الٰہی کے تمام گہرے نکات کو اچھی طرح سمجھتے ہو، اور بیان کرتے ہو پھر بھی اس بات کا امکان نہیں ہے کہ بے سروپا ممکن کو جو نہ تھا اور پھر کبھی نہ ہوگا، ذاتِ واجب کے راز کو، جو ہمیشہ سے تھا، اور رہے گا، پوری طرح سے دریافت کرلو۔ وما یعلمہ الا ھو وھو العلیم الحکیم [اور اس کو نہیں جانتا ہے مگر وہی [اللہ تعالیٰ کی ذات، وہ علیم وحکیم ہے]

(ختم)

اجتہاد کا تاریخی پس منظر

تالیف: مولانا محمد تقی امینی

اجتہاد کا مسئلہ تاریخ کے ہر دور میں نازک سمجھا گیا اور ہر دور میں اس کی ضرورت واہمیت محسوس کی گئی ہے لیکن اس مسئلہ پر کوئی جامع اور محققانہ کتاب اردو میں اب تک نہیں لکھی گئی تھی۔ خوشی کی بات ہے کہ مولانا امینی جن کا اصل میدان فقہ واجتہاد ہے اور عرصہ سے اس موضوع پر کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے ادھر توجہ کی اور یہ کتاب مرتب کرکے اہل علم پر احسان عظیم کیا۔ کتاب کے مباحث میں اس قدر جامعیت وتنوع ہے کہ علماء اور طلباء دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ اصول فقہ کی جس قدر اصطلاحات ہیں ان کو نہایت سلیس اور دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ حضرات اساتذہ درس کے وقت اور طلباء مطالعہ کے وقت ضرور اپنے پاس رکھیں۔

قیمت: ۱۵ روپے

ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی